۱۹

تحریک جدید کے مطالبات کے متعلق جلسے کئے جائیں

(فرمودہ ۳۰؍ جون ۱۹۳۹ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"مَیں نے تحریک جدید کے متعلق گزشتہ سال بھی اس زمانہ میں ایک جلسہ مقرر کیا تھا اور اس سال پھر مَیں اس کے متعلق ایک جلسہ کا اعلان کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے ۱۵؍ اگست ۱۹۳۹ء کی تاریخ مقرر کرتا ہوں [1] جیسا کہ مَیں نے پہلی دفعہ بیان کیا تھا ایسے جلسوں کو کامیاب بنانے کے لئے پہلے مختلف محلّوں میں اور مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے جلسے کرنے ضروری ہیں اور ایسے کم سے کم تین جلسے ہونے چاہئیں۔ ایک عورتوں کا، ایک نوجوانوں کا اور ایک بڑی عمر کے آدمیوں کا۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ تینوں جلسے اس طرح ہوں کہ ایک طبقہ کو دوسرے طبقہ کے جلسہ میں شریک ہونے کی اجازت نہ ہو بلکہ ہر جلسہ میں دوسرے لوگ بھی شامل ہوں۔ مثلاً نوجوانوں کے جلسہ میں یا بڑوں کے جلسہ میں علماء کی جو تقریریں ہوں اگر پس پردہ عورتیں بھی ان کو سُن سکیں تو یہ نامناسب نہیں بلکہ پسندیدہ ہے لیکن چونکہ ہر طبقہ کے لئے اس کے حالات کو دیکھتے ہوئے بعض مخصوص خیالات کا سُننا اور سُنوانا ضروری ہوتا ہے اس لئے علیحدہ علیحدہ جلسوں کی تجویز مَیں نے کی ہے اور ان جلسوں کے آخر میں ۱۵؍ اگست کو ایک بڑا جلسہ ہو جس میں سب مرد، عورتیں، جوان، بچے، بوڑھے شریک ہوں بلکہ شہر کے علاوہ علاقہ کے احمدی بھی شامل ہوں اور اس تحریک سے پوری طرح آگاہ ہوں۔

مَیں یہ بھی اعلان کر دینا چاہتا ہوں کہ جیسا کہ بہت سے دوستوں کے وعدے تھے کہ وہ جون یا جولائی تک اپنے وعدے پورے کر دیں گے اس کے لئے سب جماعتیں تحریک کریں کہ سب وعدے ۱۵؍اگست تک ادا ہو جائیں تا وہ ثواب میں چھ ماہ آگے بڑھ جائیں۔ آخر جو رقم دینی ہے وہ دینی ہی ہے اور جو وقت پر یا وقت سے پہلے ادا کر دے وہ ثواب کا زیادہ مستحق ہو جاتا ہے۔ مَیں نے کئی دفعہ توجہ دلائی ہے کہ جو لوگ اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ آخری وقت پر وعدہ پورا کر دیں گے وہ کبھی اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ وہ بالعموم ناکام رہتے ہیں اور ان کے کاموں میں سُستی پیدا ہو جاتی ہے جس طرح وہ لوگ جو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ آخری وقت پر نماز ادا کر لیں گے۔ بسا اوقات محروم رہ جاتے ہیں وہ انتظار ہی کرتے رہتے ہیں اور سورج چڑھ آتا ہے یا عصر کا وقت ہوتا ہے تو سورج غروب ہو جاتا ہے۔ پس کوشش کرنی چاہیئے کہ نیکی کو وقت پر ادا کیا جائے اور نیکی کے معاملہ میں تعجیل سے کام لیا جائے۔ مَیں نے بارہا وہ مثال دی ہے کہ جب ایک مخلص صحابی باوجود تیاریٔ جنگ کی طاقت رکھنے کے اِس خیال سے تاخیر کرتے رہے کہ بعد میں تیاری کر لوں گا لیکن بعد میں ایسے مواقع پیش آ گئے کہ نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ جہاد کے ثواب سے الگ محروم رہے اور خدا اور رسُول کی ناراضگی کے مورد علیحدہ ہوئے حتّٰی کہ ایسے تین صحابہ کا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حُکم سے بائیکاٹ کیا گیا۔ ان کے عزیز ترین دوستوں نے ان کا بائیکاٹ کر دیا بلکہ بعض کی بیویوں نے بھی بائیکاٹ کر دیا اور مسلمانوں کا ان سے بات چیت کرنا تو الگ رہا وہ ان کے متعلق کوئی اشارہ کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے[۲] اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہؤا کہ انہوں نے نیکی کرنے میں سُستی سے کام لیا حالانکہ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس سامان موجود تھا مگر صرف سُستی سے کام لیا اور کہا کہ مَیں تیاری کر لوں گا۔ سب سامان میرے پاس موجود ہے تو جب کوئی شخص نیکی میں تاخیر کرتا ہے تو اگر اس کے اندر کبر اور خود پسندی کا مادہ پیدا ہو جائے تو بعد میں اللہ تعالیٰ اسے ثواب سے بھی محروم کر دیتا ہے اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بھی کم سے کم ثواب کے اتنے دن تو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کے رستہ میں خرچ کرتے اور اُسے قرض دیتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو بڑھا کر ہی واپس کرتا ہے۔[۳] یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص

خداتعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے اور اسے زیادہ نہ ملے جس طرح کھیت میں بیج ڈالا جاتا ہے تو اس کے ایک ایک دانے سے ستّر ستّر دانے نکلتے ہیں اسی طرح جو شخص دین کی راہ میں قُربانی کرتا ہے اُسے ایک ایک کے ستّر ستّر بلکہ اس سے بھی زیادہ ملتے ہیں[۴] مگر بعض نادان اس اُمید میں رہتے ہیں کہ انہیں ایک کے ستّر اسی دُنیا میں مل جائیں حالانکہ اس دُنیا کی نعماء کی اُخروی نعمتوں کے مقابلہ میں کوئی بھی حیثیت نہیں۔ اگر یہاں ایک کے ستّر بلکہ سات سَو بھی مل جائیں تو وہ اتنے مُفید نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا اثر محدود ہوگا۔ اگر انسان کی اوسط عمر ستّر سال بھی فرض کر لی جائے جو اس زمانہ میں ناممکن ہے۔ ہندوستان میں اوسط عمر تیس بلکہ ۲۷ سال سمجھی جاتی ہے لیکن اگر بفرضِ محال ستّر سال بھی تسلیم کر لی جائے تو یہ عرصہ اس لمبے اور غیر محدود عرصہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو موت کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہاں یہ نعمتیں کس کام آ سکتی ہیں اور اس محدود عرصہ میں ان سے کیا فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے اِس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی شخص سے کہا جائے کہ تمہیں اس پڑاؤ پر آرام مل سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب تم منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ تو تمہارے اور تمہارے بیوی بچوں کے لئے عمر بھر کے واسطے آرام کا انتظام ہو جائے۔ ان دونوں میں سے تمہیں کونسا آرام پسند ہے تو ہر معقول انسان منزل پر پہنچ کر عمر بھر کے آرام کو ترجیح دے گا اور جب انسان کو ایک ایسی زندگی کے دَور سے گزرنا ہے جس کے متعلق قرآن کریم نے خَالِداً اور اَبَداً کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو ایسی ابدی اور خلود کی زندگی کے آرام پر اس چند روزہ زندگی کے آرام کو ترجیح دینا نادانی نہیں تو اور کیا ہے مگر پھر بھی بعض نادان قُربانی کرنے کے بعد یہ اُمید رکھتے ہیں کہ انہیں اسی زندگی میں مالی صورت میں نفع ملے اور جب وہ اس سے محروم رہتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ثواب کے کاموں سے بھی محروم رہ جاتے ہیں کیونکہ وہ ایسی چیز کو بدلہ قرار دیتے ہیں جو دراصل بدلہ نہیں ہوتا۔ حقیقت یہی ہے کہ اگر کسی عاقل کے سامنے یہ بات رکھی جائے کہ وہ اس چند روزہ زندگی کے بدلہ کو پسند کرتا ہے یا آخرت کے غیر محدود انعامات کو تو وہ ضرور آخرت کے انعامات کو ترجیح دے گا۔ جو لوگ اس دنیا کے بدلہ کو ترجیح دیتے ہیں اُن کی مثال عقل کے معاملہ میں اس میراثی کی ہے جو کسی واعظ کا وعظ سُننے کے لئے چلا گیا۔ واعظ یہ کہہ رہا تھا کہ نماز پڑھنی چاہئے۔ اُس نے یہ بات سُنی تو واعظ سے کہا کہ

آپ نے وعظ تو بڑا کیا ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ اگر نماز پڑھیں تو کیا ملے گا؟ واعظ کو جلدی میں اَور تو کوئی جواب نہ سوجھا اُس نے کہہ دیا کہ نماز پڑھنے سے نور ملتا ہے۔ اس پر اس نے نماز شروع کر دی اور چار نمازیں پڑھیں۔ صبح کی نماز کے وقت سردی بہت تھی۔ اس نے سوچا کہ واعظ نے کوئی تیمّم کا مسئلہ بھی بیان کیا تھا سو اِس وقت میں تیمّم کر کے ہی نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اس نے تیمّم کے لئے ہاتھ مارا تو اتفاقاً اس کے ہاتھ توے پر پڑے اور اس نے وہی مُنہ اور ہاتھ پر پھیر لئے اور یہ پانچ نمازیں پڑھنے کے بعد اس نے خیال کیا کہ اب مجھے نور مل گیا ہوگا۔ ذرا روشنی ہوئی تو اس نے اپنی بیوی کو جگایا اور کہا کہ دیکھو کوئی نور آیا ہے یا نہیں؟ بیوی نے اس کے چہرے کو دیکھا تو کہا یہ تو مَیں جانتی نہیں کہ نور کیا ہوتا ہے ہاں اگر وہ کوئی کالی کالی چیز ہوتی ہے تو پھر تو بہت ہے۔ میراثی نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور وہ چونکہ براہ راست توے پر پڑے تھے اس لئے وہ بہت زیادہ سیاہ تھے اس نے کہا کہ اگر تو نور کالا ہی ہوتا ہے تو پھر تو گھٹائیں باندھ کر آیا ہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہوتی ہے جو خدا کی راہ میں قُربانی کر کے اسی دُنیا میں بدلہ کے منتظر رہتے ہیں۔ وہ پانچ نمازیں پڑھنے کے بعد توقع رکھتے ہیں کہ ان کے چہرہ پر نور کے آثار ظاہر ہوں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ اس دُنیا میں تو کسی نہ کسی طرح گزارا ہو ہی جاتا ہے مگر وہ غیر محدود زندگی جہاں تمام رشتے ناطے ٹوٹ جاتے ہیں ماں کو بیٹے سے اور بیٹے کو ماں سے، بیوی کو خاوند سے، خاوند کو بیوی سے، بھائی کو بھائی سے اور بہن کو بہن سے کسی مدد کی اُمید نہیں ہوسکتی۔ وہاں کس طرح کام چلے گا جب ہر انسان خوف سے لرز رہا ہوگا۔ وہ وقت ایسا ہوگا جب کوئی کسی کا ساتھ نہ دے گا۔ اس وقت انسان کہے گا کہ کاش! کوئی چیز میرے خزانہ میں ہوتی اور آج میرے کام آتی۔ جب انسان ترساں ولرزاں ہوگا، گھبرایا ہوا ہوگا ایسے وقت میں اگر خدا تعالیٰ کے فرشتے آ کر کسی سے کہیں کہ یہ زادِ راہ تمہارے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے تو یہ انعام زیادہ ہے یا یہ کہ یہاں دین کی راہ میں خرچ کئے ہوئے مال کے بدلہ میں ایک ایک کے ستّر ستّر مل جائیں۔ ہماری جماعت کے جو لوگ چندہ دیتے ہیں اس کی اوسط تین روپے فی کس بنتی ہے جسے ستّر سے ضرب دی جائے تو دوسَو دس روپیہ سال کے ہوتے ہیں اور سترہ روپیہ چند آنے ماہوار ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی بڑا مال نہیں۔ بمبئی اور کلکتہ میں ایسے ایسے ہندوستانی

موجود ہیں جو لاکھ لاکھ اور دو دو لاکھ روپیہ ماہوار کماتے ہیں حالانکہ ہندوستان ایک گراہوُا مُلک ہے۔ اس کے مقابلہ میں سترہ روپیہ کی حیثیت ہی کیا ہے لیکن اگر اس معمولی سی رقم کی بجائے وہ چیز مل جائے جس کی قیمت کا اندازہ ہی نہیں ہوسکتا اور ایسی تکلیف کے وقت میں ملے جب کہ ہر شخص ایک مصیبت میں مُبتلا ہوگا اور کہے گا کہ کاش میری دولت کا چوتھا حصّہ لے لیا جائے، کاش نصف لے لیا جائے بلکہ ساری دولت میری لے لی جائے اور اس انعام میں سے مجھے کچھ حصّہ مل جائے تو غور کرو یہ کتنا بڑا انعام ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے روز کافر کہیں گے کہ کاش ہماری ساری دولت لے لی جائے اور ہمیں کوئی ثواب بے شک نہ ملے مگر اس عذاب سے نجات مل جائے [۵] اور جن لوگوں کو ایک معمولی سی قُربانی کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس ثواب کا وعدہ ہے وہ اگر اس پر اس دُنیا کے معمولی نفع کو ترجیح دیں تو ان کی نادانی میں کیا شک ہے مگر کئی ایسے نادان ہیں جو معمولی سی قُربانی کرنے کے بعد چاہتے ہیں کہ اسی دُنیا میں ان کو نفع پہنچے اور جب نہیں پہنچتا تو سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ دھوکا ہوُا۔ ہم سے قُربانی کرالی گئی مگر بدلہ کوئی نہیں مِلا۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ استاد نے مجھ سے چار روپیہ فیس تو لے لی مگر اس کے عوض مجھے دیا کچھ نہیں اور یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے جو علم سکھایا ہے وہ چار کروڑ روپیہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے جو طالب علم فیس کے بدلہ میں اُمید رکھتا ہے کہ اسے استاد کی طرف سے روپیہ ملے گا وہ کبھی خوش نہیں ہوسکتا اور اطمینان حاصل نہیں کرسکتا لیکن جو یہ سمجھتا ہے کہ اس فیس کے بدلہ میں جو روپے ملتے ہیں وہ جیب میں نہیں بلکہ دل میں ڈالے جاتے ہیں۔ وہ شوق سے علم حاصل کرتا ہے اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے کہ دُنیا میں جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ اس نفع کے مقابلہ میں جو آخرت میں ملتا ہے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا۔

پھر دُنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بینک کو قبل از وقت ادائیگی کر دیتا ہے تو اسے ڈسکاؤنٹ ملتا ہے مثلاً اگر ۳۰ر جولائی کو رقم واجب الادا ہے اور وہ ۳۰ر جون کو ہی ادا کر دیتا ہے تو بینک اسے آٹھ آنے یا چار آنے سینکڑہ ڈسکاؤنٹ کے بھیج دے گا۔ گویا اسے قبل از وقت ادائیگی کا منافع دے گا۔ یہی حال اللہ تعالیٰ کا ہے جو شخص بروقت اور جلدی اپنا وعدہ پورا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ڈسکاؤنٹ اس کو ضرور دیتا ہے۔ اگر بینک اپنے محدود مال کے ساتھ

ڈسکاؤنٹ ادا کرتا ہے تو یہ کیونکر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص وقت سے پہلے اپنا وعدہ پورا کرے تو اللہ تعالیٰ اسے ڈسکاؤنٹ نہیں دے گا۔ وہ دے گا اور ضرور دے گا مگر وہ چاندی یا سونے کے سکّے میں نہیں ہوگا بلکہ نُور اور برکت کی صورت میں ہوگا۔

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے پاس لوگ گئے اور کہا کہ روم کا بادشاہ ہم سے جزیہ مانگتا ہے۔ دیں یا نہ دیں؟ ان کا مقصد اس سوال سے فتنہ پیدا کرنا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر آپ کہیں گے کہ نہ دو تو ان کو شرارت کا موقع مل جائے گا اور کہہ سکیں گے کہ یہ حکومت کا باغی ہے اور اگر کہیں گے کہ دے دو تو پھر کہہ سکیں گے کہ تم جو کہتے ہو کہ مَیں خدا تعالیٰ کا نبی اور یہود کا بادشاہ ہوں یہ کیونکر صحیح ہے۔ اپنی طرف سے انہوں نے بڑی چالاکی کی اور سمجھا کہ اس طرح آپ پکڑے جائیں گے مگر آپ نے کہا کہ قیصر کیا مانگتا ہے؟ اُنہوں نے سکّہ نکال کر دکھایا کہ یہ مانگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس وقت بھی سکّہ پر بادشاہ وقت کا کوئی نشان ضرور ہوتا ہوگا۔ آپ نے اس سکّہ پر قیصر کی تصویر یا نشان دیکھا تو فرمایا یہ قیصر کا ہے اس لئے اُسے دو اور جو خدا کا ہے وہ خدا کو دو[6] یعنی یہ روپیہ تو بنا ہوا ہی قیصر کا ہے یہ اسے دو اور اللہ تعالیٰ کا ٹیکس اطاعت کا ہے وہ اُسے دو۔ اللہ تعالیٰ کے سکّے اور ہیں اور وہ انہی میں بدلہ ادا کرتا ہے۔ ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مشکلات کو دیکھ کر کبھی دُنیوی نفع بھی ان کو دے دیتا ہے اور اس دُنیا میں بھی فضل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ہزار ہا احمدیوں نے اس کا تجربہ کیا ہے۔

حضرت خلیفہ اوّل سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں مکّہ میں تھا اور کچھ روپیہ کی ضرورت پیش آئی۔ اُس وقت آپ طالب علم تھے۔ طالب علموں کی ضروریات بھی محدود ہوتی ہیں چنانچہ اُس وقت آپ کو دس پندرہ روپیہ کی ہی ضرورت تھی آپ فرماتے تھے کہ مَیں نے دل میں کہا کہ کسی سے مانگوں گا نہیں اور مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھنے لگ گیا۔ نماز کے بعد جب مصلّٰی اُٹھا کر چلنے لگا تو دیکھا کہ مصلّٰی کے نیچے ایک پونڈ پڑا ہوا تھا۔ اب چاہے وہ پہلے ہی وہاں پڑا ہوا ہو، چاہے اس وقت کسی کی جیب سے اُچھل کر وہاں جا پڑا ہو اور چاہے فرشتوں نے رکھ دیا ہو۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے آپ کی مُشکلات کو دیکھ کر اس رنگ میں آپ کی مدد فرما دی۔

مَیں نے اپنا ایک واقعہ بھی کئی دفعہ سُنایا ہے۔ ایک دفعہ مَیں سفر پر تھا اور کسی روحانی تحریک

کے ماتحت جس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں مَیں نے خیال کیا کہ یہاں ایک روپیہ مجھے ملے۔ ہم لوگ چلے جا رہے تھے اور بعض احمدی میرے ساتھ تھے۔ سامنے ایک گاؤں تھا اور کچھ لوگ کھڑے نظر آ رہے تھے۔ میرے ساتھیوں نے بتایا کہ اس گاؤں کا نمبردار شدید مخالف ہے اور وہی اپنے ساتھیوں سمیت کھڑا ہے۔ یہ لوگ احمدیوں کو مارتے ہیں حتّٰی کہ اپنے گاؤں میں سے کسی احمدی کو گزرنے بھی نہیں دیتے۔ میرے بعض ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ گاؤں کے باہر باہر چلنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ کوئی گالی گلوچ کریں۔ ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ گاؤں نزدیک آ گیا جب مَیں اس نمبردار کے مکان کے قریب پہنچا تو وہ دوڑ کر آگے آیا اور ایک روپیہ پیش کیا۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے جماعت کو سبق دلانے کے لئے ایک بات میرے دل میں پیدا کی اور اپنی محبت کا تجربہ کرانے کے لئے میرے مُنہ سے سوال کرا دیا کہ روپیہ ملے اور دوسری طرف جماعت کے دوستوں کو اس کا احساس کرایا کہ یہ دشمنوں کا گاؤں ہے اور پھر اس نشان کو اسی گاؤں کے سب سے بڑے مخالف کے ذریعہ پورا کرا دیا۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک نشان تھا اور اس نے بتایا کہ ہم جب چاہیں اور جہاں سے چاہیں دلوا سکتے ہیں۔ مجھے یاد ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں جب آپ باغ میں فروکش تھے ایک دفعہ آپ نے جبکہ مَیں بھی پاس تھا والدہ صاحبہ سے فرمایا کہ آجکل مالی تنگی بہت ہے لنگر خانہ کا خرچ بہت زیادہ ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ بعض دوستوں سے قرض لیا جائے۔ اسی روز جب آپ ظہر یا جمعہ کی نماز کے لئے باہر گئے اور پھر نماز کے بعد واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ ایک غریب آدمی جس کے کپڑے بھی پھٹے ہوئے تھے اس نے میرے ہاتھ میں ایک پوٹلی دی تھی اس کے کپڑے اتنے پھٹے ہوئے اور بوسیدہ تھے کہ مَیں نے سمجھا اس پوٹلی میں چند پیسے ہوں گے لیکن دراصل اس میں سوا دو سَو روپے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی میرے دل میں قرضہ لینے کا خیال تھا مگر خدا تعالیٰ نے خود ہی ضرورت کو پورا کر دیا تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ دُنیا میں بھی بندوں کی ضرورتوں کے لئے روپیہ مہیا کر دیتا ہے۔

چند سال ہوئے مجھے ایک مکان کی تعمیر کے لئے روپیہ کی ضرورت پیش آئی۔ مَیں نے اندازہ کرایا تو مکان کے لئے اور اس وقت کی بعض اَور ضروریات کے لئے دس ہزار روپیہ

درکار تھا۔ مَیں نے خیال کیا کہ جائداد کا کوئی حصّہ بیچ دوں یا کسی سے قرض لوں۔ اتنے میں ایک دوست کی چِٹھی آئی کہ مَیں چھ ہزار روپیہ بھیجتا ہوں اس کے بعد چار ہزار باقی رہ گیا۔ ایک تحصیلدار دوست نے لکھا کہ مَیں نے خواب دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمیں دس ہزار روپیہ کی ضرورت تھی۔ اس میں سے چھ ہزار تو مہیا ہوگیا ہے باقی چار ہزار تم بھیج دو۔ مجھے تو اس کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آیا اگر آپ کو کوئی ذاتی ضرورت یا سلسلہ کے لئے درپیش ہو تو میرے پاس چار ہزار روپیہ جمع ہے مَیں بھیج دوں۔ مَیں نے انہیں لکھا کہ واقعی صورت تو ایسی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ہؤا ہے۔ گویا ضرورت مجھے تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے مُنہ سے کہلوانے کی بجائے اس دوست کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مُنہ سے کہلوا دیا۔ نہ اسے علم تھا کہ مجھے دس ہزار کی ضرورت ہے اور یہ کہ اس میں سے کسی نے چھ ہزار بھیج دیا اور اب صرف چار ہزار باقی ہے اور نہ مجھے علم تھا کہ اس کے پاس روپیہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے خود ہی تمام انتظام فرما دیا۔ تو بعض اوقات ایسے مواقع اللہ تعالیٰ خود ہی بہم پہنچا دیتا ہے۔ اس کے خاص بندوں کے لئے یہ صورت عام ہوتی ہے اور عام بندوں کے لئے شاذ کے طور پر لیکن سب ہی کے لئے حقیقی نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے جو روحانی طور پر آتی ہے۔ وہ اس دُنیا میں معرفت کے رنگ میں اور آخرت میں روحانی نصرت کی صورت میں آتی ہے۔ گو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں بھی بدلے ملتے ہیں مگر وہ اصل بدلہ کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ اکثر حصّہ اگلے جہان میں ہی ملتا ہے اور اگلے جہان کے بدلہ کی قیمت وہی جانتا ہے جو اسے سمجھتا ہے دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ نادان کی نگاہ میں وہ حقیر چیز ہے مگر جو اس کی قیمت کو سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اس سے زیادہ قیمتی چیز اور کوئی نہیں ہوتی۔ یہی صحابہ جن کا مَیں نے ذکر کیا ہے کہ جنگ میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے ان میں سے ایک جنہیں مالی توفیق تو تھی مگر شامل نہ ہوئے تھے ان کے نزدیک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ناراضگی کے مقابلہ میں دولت کی کوئی قیمت باقی نہ رہ گئی تھی اور اُنہوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے تو مَیں اپنی ساری دولت خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دوں گا اور جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی معافی کا اعلان فرمایا تو اُنہوں نے

سب کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دیا۔ حتّٰی کہ تن کے کپڑے بھی دے دیئے اور خود قرض لے کر اَور کپڑے بنوا کر پہنے۔ ۵؎ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان کے نزدیک ساری دولت کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

پس مَیں تحریک کرتا ہوں کہ دوست کوشش کریں کہ وقت سے پہلے تحریک جدید کے وعدے پورے ہو جائیں۔ پھر اس کے دوسرے حصوں کی طرف بھی توجہ کرنی چاہیئے کہ وہ بھی بہت اہم اور ضروری ہیں اور قومی کیرکٹر کو بنانے میں بہت ممد ہیں۔ مثلاً ایک ہی کھانا کھانا سوائے دعوت کے موقع کے یا جمعہ یا عیدین کے موقع کے۔ تو جن حدود کے ساتھ اس کے دوسرے حصّے مشروط ہیں ان کو بھی پورا کرنے کی طرف جماعت کو توجہ دلانی ضروری ہے۔ اس تحریک کے دوسرے حصوں میں ایک کھانا کھانا اتنا اہم حصّہ ہے کہ اس پر عمل کرنے والے جانتے ہیں کہ یہ اپنے اندر کس قدر وسیع فوائد رکھتا ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی نہایت اہم اثر پیدا کرنے والی ہوتی ہیں۔ جب کانگرسیوں پر مقدمات دائر ہونے لگے اور گاندھی جی بھی گرفتار ہوئے تو اُنہوں نے اعلان کر دیا کہ وہ اپنا کوئی ڈیفنس پیش نہیں کریں گے اور سب کانگرسیوں کو ایسا ہی کرنا چاہیئے۔ عام لوگوں حتّٰی کہ انگریزوں نے بھی سمجھا کہ وہ ضد کرتے ہیں حالانکہ یہ ضد نہ تھی بلکہ اتنی چھوٹی سی بات اپنے اندر بہت سے فوائد رکھتی تھی لیکن میرا خیال ہے بہت سے کانگرسیوں نے بھی اسے نہیں سمجھا ہوگا۔ بات یہ تھی کہ اگر دفاع کی اجازت ہوتی تو گاندھی جی کے لئے تو مُلک کے بہترین وکلاء مثلاً سر سپرہ اور مسٹر جیکر وغیرہ سب جمع ہو جاتے لیکن جو غرباء گرفتار ہوتے ان کے دفاع کے لئے کوئی نہ جاتا۔ گاندھی جی نے خیال کیا کہ اس طرح بے چینی پیدا ہوگی اور غرباء خیال کریں گے کہ بڑے بڑے لوگوں کے لئے تو اس قدر انتظامات اور سامان مہیا ہو جاتے ہیں مگر غرباء کو کوئی نہیں پوچھتا اور اگر سب کے لئے بڑے بڑے وکلاء پیش ہونا بھی چاہتے تو نہ ہو سکتے۔ مقدمات تو سارے مُلک میں چل رہے تھے وہ ہر جگہ کس طرح پیش ہو سکتے تھے اور اس طرح ان کی خواہش اور ارادہ کے باوجود شکوہ کا موقع باقی رہتا۔ گو وہ شکوہ کتنا ہی غیر معقول اور خلافِ عقل کیوں نہ ہوتا مگر لوگ یہی کہتے کہ غرباء کو کوئی نہیں پوچھتا اور کثیر اخراجات کے باوجود شکایت باقی رہتی۔

ہم نے یہاں اپنے مقدمات میں دفاع کی اجازت دی تھی اور گو ہم نے غلطی نہیں کی بلکہ مصلحتاً ایسا کیا تھا مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اس پر ہمارا کتنا روپیہ خرچ ہوتا رہا ہے۔ کسی میں سَو کسی میں دوسَو اور کسی میں چارسَو روپیہ خرچ ہوتا رہا ہے۔ ہر مقدمہ میں کئی کئی گواہ پیش ہوتے ہیں کئی کئی پیشیاں ہوتی ہیں لیکن اگر ہم دفاع پیش نہ کرتے تو ایک بھی پیسہ خرچ نہ ہوتا۔ پیش ہوتے اور کہہ دیتے کہ جو کرنا ہے کرلو۔ گاندھی جی نے بھی یہی کیا اور اس سے سارے مُلک میں شور مچ گیا۔ عام لوگوں نے خیال کیا کہ بائیکاٹ کے لئے ایسا کیا ہے حالانکہ ان کی غرض یہ تھی کہ چھوٹے بڑے اور امیر وغریب کا کوئی سوال نہ پیدا ہو اور روپیہ نہ خرچ ہو۔ ہزاروں لاکھوں مقدمات تھے اگر روپیہ خرچ کیا جاتا تو بے شمار خرچ ہو جاتا اور پھر مُلک میں بیداری بھی پیدا نہ ہوتی۔

اِسی طرح کھدّر پوشی ہے۔ یہ بھی ایسی ہی باتوں میں سے ایک ہے۔ کوئی کہے کہ اگر کھدّر مُفید ہے اور یہ بھی سادہ کپڑوں کی تحریک کا حصّہ ہے تو تم اس تحریک پر کیوں عمل نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا قانون اَور ہے اور ہماری شریعت اَور ہے۔ گاندھی جی نے وہ تحریک کی جو ان کے خیال کے مطابق مُلک کے لئے مُفید ہوسکتی تھی اور مَیں نے جو تحریک کی وہ اسلام اور سلسلہ کے فائدہ کو مدّنظر رکھ کر کی ہے۔ اس لئے ہماری تجاویز میں فرق لازمی ہے۔ میرے مدّنظر اسلام کی شوکت اور سلسلہ کی ترقی ہے اور گاندھی جی کے نزدیک ہندوستان کی ترقی ہے۔ دونوں کا علاج علیحدہ علیحدہ ہے۔ مَیں نے ایک کھانا کھانے، سادہ کپڑے پہننے اور ہاتھ سے محنت کرنے کی جو تحریک کی ہے یہ کوئی چھوٹی باتیں نہیں ہیں۔ یہ اپنے اندر اس قدر فوائد رکھتی ہیں کہ ہر ایک پر اگر مفصل تقریر کی جائے تو سینکڑوں گھنٹے کی جاسکتی ہے اور اگر جماعت ان کو مدّنظر رکھے تو قریب ترین عرصہ میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہوسکتا ہے اور جماعت اس پر جتنا عمل کرتی ہے اس کے اثرات بھی مشاہدہ کر رہی ہے۔ مجھے کئی رپورٹیں آتی رہتی ہیں کہ دوسرے لوگ بھی اسے اختیار کر رہے ہیں، کئی غیر احمدی امراء کے گھرانوں کی عورتیں ان تحریکات کو اپنے ہاں رائج کر رہی ہیں اور اسے بہت پسند کرتی ہیں۔

پچھلے دنوں جب چیف جسٹس صاحب یہاں تشریف لائے تو اُنہوں نے اس تحریک کا ذکر

سُن کر بہت پسند کیا اور کہا کہ آپ کو چاہئے تھا میرے لئے بھی ایک کھانا تیار کراتے۔ مَیں نے کہا مجھے آپ کی عادات کا علم نہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ مَیں تو سادگی کو بہت پسند کرتا ہوں۔ تو یہ تعلیم اتنی مفید ہے کہ غیروں کو بھی اس کے فوائد نظر آ رہے ہیں اور ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں، ایشیائیوں اور غیر ایشیائیوں سب کی توجہ خود بخود اس طرف مبذول ہوتی جا رہی ہے مگر تجربہ سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ لوگ زیادہ کھانے چھوڑنے کے لئے تیار ہیں، سادہ کپڑے بھی پہن سکتے ہیں مگر سینما چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میری ہمشیرہ شملہ گئیں تو اُنہوں نے سُنایا کہ بعض امراء کی عورتیں اس تحریک کو بہت پسند کرتی ہیں مگر صرف یہ کہتی ہیں کہ سینما چھوڑنا مشکل ہے۔ تو عام طور پر لوگوں میں یہ تحریک شروع ہے۔ حتّٰی کہ مختلف کمیٹیوں اور مجلسوں میں یہ سوال آنا شروع ہو گیا ہے لیکن افسوس ہے کہ جماعت نے ابھی اسے سمجھنے اور اس پر پورے طور پر عمل کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ دراصل کامل فرمانبرداری کامل علم سے پیدا ہوتی ہے اس لئے ان جلسوں میں واعظ اچھی طرح لوگوں کو اس کے فوائد سے آگاہ کریں اور کھول کھول کر سمجھائیں اور کوشش کریں کہ ہر سال کی تقریروں میں نئے نئے مضامین اور نئے نئے مسائل پیدا ہوں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ پچھلی باتیں بیان نہ کی جائیں اور ان کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ان باتوں کو چھوڑنا خودکشی کے مترادف ہے۔ ان کو بھی ضرور بیان کیا جائے اور ان کے علاوہ نئے مضامین پیدا کئے جائیں۔ نئے مضامین سے نئی روح پیدا ہوتی ہے اس لئے دونوں کو مدّنظر رکھنا چاہئے۔ یعنی نئے مضامین بھی اور پُرانے بھی بیان کئے جائیں۔

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ تمام جماعتیں خصوصاً قادیان کی جماعت کہ یہ جگہ سلسلہ کا مرکز اور خدا تعالیٰ کے رسول کی تخت گاہ ہے اور اس لحاظ سے ان کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ اپنے فرائض کو پوری طرح محسوس کریں گی۔ قادیان والوں کو دوسروں کے لئے نمونہ بننا چاہئے اور خود علم حاصل کرنا اور دوسروں کو سکھانا چاہئے اور پھر اس تحریک پر عمل کرنے میں بھی ایسا نمونہ دکھانا چاہئے کہ باہر والے ان سے سبق حاصل کریں۔ نیک نمونہ کا اثر سب سے زیادہ ہوتا ہے۔

آج ہی لاہور سے چلنے کے وقت ایک خاتون مجھ سے ملنے آئیں وہ پنجاب کے ایک سابق لیڈر کی والدہ ہیں۔ وہ کہنے لگیں کہ میرا بیٹا ایک دوبار قادیان ہو آیا ہے اور واپس آ کر مجھ سے کہا کہ

قادیان کا آسمان بھی اَور ہے اور زمین بھی اَور، وہاں کے آدمی بھی اَور ہیں۔ایک دفعہ اُنہوں نے کسی سے یہ ذکر بھی کیا کہ مَیں تو چاہتا ہوں کہ قادیان میں مکان بنا لوں۔ یہ شخص پہلے ایک بڑے عُہدہ پر ملازم تھے۔اب ریٹائر ہو چکے ہیں اور مشہور لیڈر ہیں۔تو نیک نمونہ کا اثر انسان پر ضرور ہوتا ہے۔نیکی، دیانتداری اور راستبازی کو دیکھ کر ہر شخص یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ انسان ہی اَور ہیں اور جس نے یہ جماعت بنائی ہے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ پس مَیں پھر دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس وقت کی اہمیت کو سمجھو۔ جو فسادات دُنیا میں پیدا ہونے والے ہیں اور جو تباہیاں آنے والی ہیں پیشتر اس کے کہ وہ آئیں اپنے محل کو محفوظ اور دیواروں کو مکمل کرلو تا جب شیطان اس محل پر حملہ کرنا چاہے تو اس سے پہلے ہی اس کے دروازے لگ چکے ہوں اور دیواریں مکمل ہو چکی ہوں۔'' (الفضل ۱۱ رجولائی ۱۹۳۹ء)

۱؎ جمعہ میں اعلان ۳۰ جولائی کا کیا تھا مگر اس تاریخ کو دعوت و تبلیغ کا مقرر کردہ جلسہ تھا اس لئے تاریخ بدل دی گئی۔

۲؎ بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک و قول اللہ عزوجل و علی الثلاثة الذین خلفوا

۳؎ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (البقرة:۲۴۶)

۴؎ تفسیر الخازن زیر آیت مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البقرة:۲۶۲)

۵؎ المائدة:۳۷

۶؎ لوقا باب ۲۰ آیت ۳۸ تا ۴۳ مطبوعہ ۱۸۸۰ء

۷؎ بخاری کتاب المغازی باب حدیث کعب بن مالک و قول اللہ عزوجل و علی الثلاثة الذین خلفوا